© rasailojaraid.com

قصاص و دیت کے چند اہم پہلو

محمود احمد غازی

اس امر پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ اسلامی شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد میں دین کی حفاظت کے بعد سب سے اہم مقصد انسانی جان کی حفاظت ہے ۔ قرآن مجید میں ایک انسانی جان کا بیجا قتل ساری انسانیت کے قتل کے مترادف اور ایک انسانی جان کی حفاظت ساری انسانیت کی حفاظت کے قائم مقام قرار دی گئی ہے ۔ (۱) قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ جملہ احکام بالواسطہ یا بلاواسطہ ان پانچ مقاصد کے حصول کے لئے دیے گئے ہیں :

۱ ۔ تحفظ دین ، یعنی دین حق کی بقاء ، تحفظ اور نشرواشاعت

۲ ۔ تحفظ نفس ، یعنی انسانی جان کی حفاظت

۳ ۔ تحفظ عقل ، یعنی ایک ذی ہوش اور ذی عقل مخلوق کی حیثیت سے انسان کی حفاظت اور بقاء ، ان امور اور اسباب و دواعی کا سد باب جو انسانی عقل اور اس کی سوچنے سمجھنے اور معاملات کا صحیح اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتے ہوں ۔

۴ ۔ تحفظ نسل ، یعنی نسل انسانی کی بقاء ، بقائے نسل کے طریقہ اور حقوق کی نگہداشت اور ان اسباب و دواعی کا سد باب جو جائز ، قانونی اور اخلاقی ذرائع سے نسل انسانی کے تسلسل پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔

۵ ۔ تحفظ مال ، یعنی جائز طور پر حاصل کردہ مال و دولت اور جائداد کی حفاظت (۲) ۔

جیسا کہ ہر دیکھنے والے کو اندازہ ہو گا ، ان کلیات میں سے تین کا تعلق براہ راست انسان اور اس کی انسانیت سے ، ایک کا تعلق اس کی اس حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہے کہ وہ خلیفۃ اللہ ہے ، اور پانچویں کا تعلق اس کی املاک و جائداد سے ہے۔

گویا شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام کا مقصد بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر انسان ، انسانیت ، مقام انسانیت اور ممتلکات انسان کی حفاظت ہے ۔ پوری اسلامی شریعت اور فقہ اسلامی کے جملہ ذخائر اس اجمال کی تفصیل سے عبارت ہیں ۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ (علی صاحبها الف الف صلاۃ وتحیۃ) میں انسانی جان کے تقدس و تحفظ کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی تفصیل کا نہ یہاں موقعہ ہے اور نہ ان محدود صفحات میں اس کو بیان کیا جا سکتا ہے ۔ ان سب احکام کو سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس مشہور اور لافانی کلیہ کی شکل دیدی ہے جو اسلامی قانون فوجداری کی شاید اہم ترین دفعہ کی شکل اختیار کر گیا ہے ۔ آنجناب نے فرمایا تھا : لا یطل دم فی الاسلام ، اسلام میں کوئی خون رائگاں نہ جائے گا ۔ یعنی اسلام میں ایسی کوئی صورت نہیں کہ کسی شخص کی جان ناحق لے لی جائے اور اس کا اسلامی حکومت کوئی نوٹس نہ لے ۔ اگر قاتل موجود اور معلوم ہے تو اس سے قصاص یا دیت لی جائے ، اس کے لئے دیت ادا کرناممکن نہ ہو تو اس کی عاقلہ یا اسلامی حکومت دیت ادا کرے ، اگر قاتل موجود اور معلوم نہیں ہے تو پھر قسامت یعنی اجتماعی قسم اور اجتماعی تاوان ہو گا ، اگر قاتل موجود اور معلوم بھی نہیں اور کسی بستی یا علاقہ یا محلہ کے لوگوں پر شبہ کرنے کی مضبوط وجوہ بھی موجود نہیں تو پھر ریاست اس کی دیت ادا کرے ، حتی کہ اگر کسی شخص کا کوئی وارث بھی نہ ہو تو بھی ریاست ایک مد سے اس کی دیت ادا کر کے دوسری مد میں داخل کرے ۔ غرض یہ سب صورتیں اسی کلیہ کے عملی نفاذ کی مختلف شکلیں ہیں کہ اسلام میں کوئی خون رائگاں نہیں جائے گا ۔

اس اہم اور بنیادی قاعدہ کے علاوہ چند ایک اور اہم نکات بھی ہیں جن کو اسلامی قوانین کے مطالعہ کے وقت عموماً اور قوانین قصاص و دیت کے مطالعہ کے وقت خصوصاً پیش نظر رکھنا چاہئیے ۔ یہ وہ بنیادی تصورات ہیں جن پر قصاص ودیت کے بہت سے احکام کا دار و مدار ہے اور جن سے واقفیت حاصل کئیے بغیر بہت سے معاملات میں اسلام کی پوزیشن کو سمجھنے میں الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱ ـ اسلامی شریعت کی بالادستی کا قیام اور اسلامی احکام کا نفاذ امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ھے (۳) قرآن مجید کے قریب قریب تمام احکام کے مخاطب مجموعی طور پر سارے مسلمان ھیں ـ یہی وجہ ھے کہ قرآن و سنت کا نفاذ امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ھے اور فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ھے ـ اگر شریعت کے کسی حکم کی معاشرہ میں کھلم کھلا خلاف ورزی ھو رھی ھو تو معاشرہ کے ھر ھر فرد مسلم فرد ـ کی شرعاً یہ ذمہ داری ھے کہ وہ اس نافرمانی کو روکنے کی حتی الوسع کوشش کرے ، اب جو شخص اس میں جتنی کوتاھی کرے گا وہ اتنا ھی ذمہ دار اور علی ھذا گنہ گار متصور ھو گا ـ قرآن مجید کا صاف اعلان ھے کہ جس معاشرہ میں اجتماعی طور پر اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی ھو رھی ھو وہ سارا معاشرہ اللہ تعالی کی پکڑ اور گرفت کا شکار ھو گا اور وہ لوگ بھی اس کی زد میں آئیں گے جنھوں نے چاھے عملاً اس برائی کا ارتکاب نہ کیا ھو لیکن وہ اس کے مجرم ھوں کہ برائی کو پھیلنے اور وقوع پذیر ھوتے دیکھتے رھے اور اس کو روکنے کی جد و جہد نہ کی (۴) ـ

۲ ـ اسلامی معاشرہ میں ھر فرد دوسرے کا کفیل ھے ـ اسلام میں مغربی انداز کے ایسے کسی معاشرہ کا کوئی تصور موجود نہیں ھے جس میں بقول مولانا رومی : کسے را با کسے کارے نباشد کی روح کار فرما ھو ـ اس کے برعکس یہاں ھر شخص ایک دوسرے کا کفیل ، نگراں اور نگہبان ھے ـ اگر کوئی شخص تکافل کی اس ذمہ داری کو نباھنے میں کوتاھی کرتا ھے تو وہ شرعاً مجرم ھے ـ اس اصول کے تحت اسلام کے بہت سے احکام مرتب کئے گئے ھیں ـ خود قرآن مجید اور سنت رسول میں اس اصول کی بنیاد پر بہت سے احکام دیے گئے ـ والدین اور رشتہ داروں کے بعد جن لوگوں کے لیے نیکی کرنے کا حکم ھے ان میں جار ذی القربی (رشتہ دار ھمسایہ) ، الجار الجنب (اجنبی ھمسایہ) اور الصاحب بالجنب (برابر کا رفیق ، مصاحب ، ھم سفر وغیرہ) کو اولین حیثیت حاصل ھے (۵) . پڑوسی کے حقوق سے متعلق احادیث کو عموماً اخلاقی ھدایات قرار دے کر نظر انداز کر دیا جاتا ھے لیکن یہ محض اخلاقی ھدایات نہیں ھیں بلکہ قانونی احکام ھیں ، حتی کہ اُن کی بنیاد پر بعض فقہاء (مثلاً ابن حزم) نے یہ رائے بھی ظاھر کی ھے کہ اگر کسی شخص کو کھانے پینے کو کچھ میسر نہ ھو اور اس کے پڑوسی استطاعت کے باوجود اس کی مدد نہ کریں تو وہ جبراً ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقدر ضرورت لے سکتا ہے ۔ اس طرح دو ہمسفروں کے بارے میں بھی کہا گیا ہے ، اگر ایک انتہائی ضرورت مند ہو اور دوسرا اس کی ضرورت کا خیال کر کے اس کی حاجت کو پورا نہ کرے تو ضرورت مند ساتھی طاقت استعمال کر کے اپنا حق لے سکتا ہے ۔ (٦)

۳- اسلامی ریاست میں اچھائی کو قائم رکھنا اور برائی کو روکنا ہر مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے ۔ ایک اسلامی معاشرہ میں اسلام کی بیان کردہ تمام اچھائیوں (معروفات) کو قائم کرنا اور تمام برائیوں (منکرات) کو ختم کرنا اور اس ضمن میں ہر ممکن کردار ادا کرنا مسلمانوں کے لیئے فرض کفایہ ہے ۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کی بنیادی خصوصیت ہی یہ بتائی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اچھائی کی تلقین کرتے ہیں ، برائیوں سے باز رہنے کا درس دیتے ہیں ، ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کرتے رہتے ہیں (وتواصوابالحق) اور ایک دوسرے کو صبر و استقلال اور ثابت قدمی کی نصیحت کرتے رہتے ہیں (وتوا صوا بالصبر) ۔ لہذا اگر مسلمانوں کا کوئی معاشرہ اس بنیادی خصوصیت سے عاری ہو گا تو اس کو ایک مکمل اسلامی معاشرہ نہیں کہا جا سکے گا ۔

۴ ۔ بیشتر مغربی تصورات ریاست کے برعکس اسلامی ریاست اپنا ایک فعال نظریاتی کردار رکھتی ہے ۔ اسلامی نظریہ کی بقاء ، بالادستی اور نشرواشاعت اس کا سب سے اولین اور سب سے بنیادی فریضہ ہے ۔ رائج الوقت سیکولر تصورات کے زیر اثر ہمارے ہاں یہ خیال عام ہونے لگا ہے کہ ریاست کا کوئی فعال نظریاتی کردار ہونا ضروری نہیں بلکہ ریاست کو ملک میں موجود تمام نظریات (اور بالخصوص مذہبی نظریات) کے بارہ میں غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرنا چاہئیے ۔ اس غلط بلکہ گمراہ کن خیال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کے بہت سے احکام کی غلط تعبیر و تشریح کرنی پڑتی ہے ، بالخصوص اسلامی اخلاقیات کی نگہداشت کے ضمن میں ہمارے فقہاء نے جو بحثیں کی ہیں اور اس سلسلہ میں ریاست کے کردار کی جو وضاحت کی ہے اس پر بہت سے لوگ چیں بجبیں ہوتے ہیں ۔ اسی طرح غیر مسلموں اور ذمیوں سے متعلق بعض احکام کو سمجھنے میں بھی اسی وجہ سے دقت ہوتی ہے کہ ان کو اسلامی ریاست کے مخصوص دینی و نظریاتی کردار کے پس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منظر میں نہیں دیکھا جاتا ۔

۵ ۔ اسلامی ریاست کا نظم و نسق اور حکمرانی کا اختیار ایک امانت ھے جس کے تحمل اور ادائیگی میں پوری امت شریک ھے ، حکمرانوں کی حیثیت امت کے نمائندگان مجاز اور وکیل کی ھے جن کا تقرر امت بالواسطہ اپنے ارباب حل و عقد کے ذریعہ یا اگر حالات و وسائل اجازت دیں تو بلاواسطہ کرتی ھے (۷)۔

٦ ۔ اسلامی ریاست میں حکومت اور عوام کا تعلق بڑا گہرا ھے ۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض عائد ھیں ۔ دونوں کو ایک دوسرے کا مددگار اور خیرخواہ قرار دیا گیا ھے ۔ اس گہرے تعلق کے بہت سے مظاھر ھیں جن کی بنیاد پر متعدد قانونی اور دستوری احکام وضع ھوئے ھیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ۔ اس تعلق کا ایک مظہر یہ کلیہ بھی ھے جس کو حدیث پاک میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ھے : السلطان ولی من لاولی له جس کا کوئی ولی نہ ھو اس کی ولی حکومت ھے ۔ لہذا جس شخص کا کوئی وارث نہ ھو اس کی وارث حکومت ھو گی اور اس کا ترکہ بیت المال میں جائے گا ، جو شخص مقروض ھو اور مر جائے اور اس کا قرضہ ادا کرنے کے لیئے اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ھو تو اس کا قرضہ حکومت ادا کرے گی ، اگر کسی مقتول کا کوئی وارث نہ ھو تو اس کی دیت بیت المال میں جمع کرائی جائے گی ، اسی طرح اگر قتل خطأ میں کسی قاتل کی کوئی عاقلہ نہ ھو تو اس کی طرف سے بیت المال دیت ادا کرے گا ۔

یہ ھیں وہ چند بنیادی اصول جن پر اسلام کے قانون قصاص و دیت کی عمارت استوار ھوتی ھے ۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ھے اس ضمن میں سب سے پہلا راھنما اصول وھی ھے جس کی طرف سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا لایطل دم فی الاسلام (اسلام میں کوئی خون رائیگاں نہیں جا سکتا) ۔ اس راھنما اصول کو قرآن مجید کی آیت ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب (۸) (اے عقل والو ۔ تمہارے لئیے قصاص میں زندگی ھے) کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے اور مذکورہ بالا دوسرے اصول اور دیت کی آیات سامنے رھیں تو قانون قصاص و دیت کی ساری گتھیاں حل ھو جاتی ھیں ۔ اس مختصر مضمون میں قصاص و دیت کے جملہ احکام کا نہ استقصاء مقصود ھے نہ ان سب کی تشریح و توضیح مقصود ھے ۔ یہاں چند ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اهم مسائل پر معروضی انداز میں اظہار خیال مقصود ہے جو اسلام کے قانون قصاص و دیت کے نفاذ کے سلسلہ میں موضوع بحث بنتے رہتے ہیں ۔

ان میں سب سے پہلا مسئلہ عورت کی دیت کا ہے ۔ ہماری کتب فقہ میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف قرار دی گئی ہے ۔ یہی قریب قریب تمام کبار فقہاء کا نقطہ نظر ہے ۔ امام ابو حنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام جعفر صادق کی یہی رائے ہے ۔ ایک مشہور عام حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمرو بن حزم کو یمن کے ایک علاقہ کا قاضی مقرر فرمایا تو ان کو ایک تفصیلی دستاویز بھی عطا فرمائی جس میں بہت سے فقہی کے احکام مذکور تھے ، وہاں یہ بات بھی واضح طور پر موجود تھی کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہو گی ۔

اس کے برعکس قاضی ابو بکر الأصم اور ابن علیہ کی رائے میں عورت اور مرد کی دیت یکساں ہونی چاہئیے ۔ یہی رائے مصری مسودہ قانون کے مرتبین نے اختیار کی ہے (ملاحظہ ہو دفعہ ۱۸۹ مصری مسودہ قانون مع تشریحات) ۔ (۹)

جو حضرات عورت کی دیت کو نصف مانتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں :

۱ ۔ عمرو بن حزم کی وہ دستاویز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھوا کر دی تھی جس میں واضح طور پر عورت کی دیت آدھی قرار دی گئی تھی ۔

۲ ۔ چونکہ عورت کو میراث میں آدھا حصہ ملتا ہے اس لئیے اس کی دیت بھی آدھی ہونی چاہئیے ۔

۳ ۔ چونکہ عورت کی عموماً کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ہوتی اس لئیے ایک عورت کے قتل سے اس کے ورثاء کو وہ معاشی دھچکہ نہیں پہنچتا جو ایک مرد کے قتل سے پہنچ سکتا ہے ۔ کسی خاندان کے ایک مرد کے قتل ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ ایک بےگناہ جان کے ضائع ہونے کے ساتھ ساتھ اس خاندان کا ایک کمانے والا اور معاشی طور پر خبر گیری کرنے والا بھی اٹھ گیا ۔ لہذا اس ستم رسیدہ خاندان کے ساتھ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ مقتول مرد کی دیت پوری اور مقتولہ عورت کی آدھی ہو ۔

لیکن جو اصحاب اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے اور ابو بکر بن الاصم اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن علیه کی رائے کی طرف رجحان رکھتے ھیں ان کے دلائل یہ ھیں :

۱ ۔ قرآن مجید میں جہاں دیت کا ذکر آیا ھے وھاں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ۔

۲ ۔ اسی طرح ایک حدیث میں جس کو ابن قدامہ نے نقل کیا ھے (ان فی النفس المؤمنة مائة من الابل) (عورت اور مرد میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ۔

۳ ۔ بعض روایات سے یہ بھی پتا چلتا ھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کی دیت مسلمان سے آدھی قرار دی تھی ۔ لیکن امام ابو حنیفہ (جمہور کی رائے کے برعکس) ان روایات کو اس بناء پر قبول نہیں کرتے کہ قرآن مجید میں ایسی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ، لہذا اگر قرآن مجید کے عمومی بیان کو نظر انداز کر کے مسلم اور غیرمسلم کی دیت میں فرق کیا گیا تو یہ بات قرآن مجید کی تخصیص یا تقیید کے مترادف ھو گی جو خبر واحد کی بنیاد پر نہیں ھو سکتی ۔ اسی استدلال کی بنیاد پر عورت و مرد کی دیتوں میں بھی فرق نہیں کیا جانا چاھئیے ۔

۴ ۔ دیت قصاص کا قائم مقام ھوتی ھے ، اگر قصاص میں عورت مرد دونوں برابر ھیں تو دیت میں بھی برابر ھونے چاھئیں ۔

۵ ۔ شریعت نے مساوات اور عدل کے جو اصول دیے ھیں ان کا تقاضا بھی یہی ھے کہ مرد ر عورت دونوں کی دیت برابر ھو ۔

٦ ۔ جہاں تک عمرو بن حزم کی دستاویز کا تعلق ھے تو بعض اھل علم نے اس کے وجود ھی سے انکار کیا ھے ، ان کی رائے میں وہ تمام روایات جن سے عمرو بن حزم کی دستاویز کا ثبوت ملتا ھے محل نظر ھیں (۱۱) ۔

۷ ۔ قرآن مجید کے عمومی بیانات کی تخصیص خبر واحد کے ذریعہ بعض خاص حالات میں ھی ممکن ھے ۔ یعنی جہاں ایسا کوئی عمومی حکم ھو جس کی خود قرآن مجید یا سنت متواترہ سے تخصیص ھو چکی ھو وھاں مزید تخصیص خبر واحد سے جائز ھے ورنہ نہیں ۔ ظاھر ھے کہ یہاں ایسی کوئی ابتدائی تخصیص موجود نہیں ھے ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلائل خاصے وزنی ھیں ۔ لیکن ظاھر ھے کہ ھمارے لئیے اکابر فقہاء کی متفقہ رائے کو یکسر نظر انداز کر کے ابو بکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاصم اور ابن علیه جیسے نسبتاً غیر معروف اور غیر اهم فقهاء کی رائے کو ترجیح دینا خاصا مشکل ہے ۔ دوسری طرف جمهور کے نقطه نظر کو آج بیسویں صدی میں اپنا لینے سے دشمنان اسلام کو اسلام کے خلاف جوطرح طرح کی باتیں بنانے کا موقعه ملے گا اس سے بہت سی بدگمانیاں پیدا ہونے کا خطره موجود ہے ۔ دوسری طرف بہت سے مخلص مسلمانوں کو بھی شاید اس رائے کی صحت کے بارے میں قلبی اطمینان حاصل نہیں ہو گا ۔ اس لیے ان دونوں نقطه ہائے نظر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک درمیانی راسته نکل سکتا ہے جو یه ہے :

امام ابو حنیفه کے علاوه دوسرے تمام فقهاء (امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کے نزدیک اگرقتل کا جرم یا وقوعه بعض سنگین نوعیت کے حالات میں واقع ہو تو دیت کی رقم اصل رقم سے بڑھا دی جاتی ہے جس کو تغلیظ دیت کہتے ہیں ۔ مثلاً امام مالک کے نزدیک باپ اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو دیت کی رقم میں ایک تہائی کا اضافه کر دیا جائے گا (۱۲) ۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک حرم شریف میں قتل کرنے پر ، حالت احرام میں قتل کرنے پر یا اشہر حرم (حج کے مہینوں) میں قتل کرنے پر تغلیظ دیت ہو گی۔ اس طرح کی ہر سنگینی کے ارتکاب پر ایک تہائی دیت کا اضافه کر دیا جائے گا ۔ اگر ایک سے زائد سنگین اسباب جمع ہو گئے ہیں تو ہر سبب کی وجه سے ایک تہائی دیت کا اضافه ہوتا جائے گا اور تین اسباب جمع ہو جانے سے پوری دو دیتیں واجب ہوں گی ، ایک جرم قتل کی اور دوسری ان تین اسباب کی ۔ اسی طرح بعض حنبلی فقهاء کے نزدیک کسی محرم کو قتل کرنے پر بھی تغلیظ ہونی چاهئیے (۱۳) ۔ امام شافعی کے نزدیک بھی بعض سنگین حالات میں تغلیظ کے اصول کو اختیار کیا جا سکتا ہے ۔ (۱۴)

تغلیظ کے اس قاعده کے پیش نظر ہماری رائے میں عورت کی عام دیت تو مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہی ہونی چاهئیے لیکن بعض خاص اور سنگین حالات میں تغلیظ کے اصول کے پیش نظر اس کو دوگنا کر دیا جائے ۔ یه خاص اور سنگین حالات مندرجه ذیل قسم کے ہو سکتے ہیں :

۱ ۔ ایسی شادی شده خاتون کا قتل جس کے نابالغ بچے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ ۔ کسی ایسی خاتون کا قتل جو اپنے اہل خاندان یا قریبی اعزہ کی معاشی کفالت کر رہی ہو ۔

۳ ۔ کسی ایسی تعلیمیافتہ خاتون کا قتل جس کی تعلیم سے معاشرہ کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو (مثلاً لیڈی ڈاکٹر ، نرس ، معلمہ وغیرہ) ۔

۴ ۔ کسی ایسی بےسہارا خاتون کا قتل جس کی حفاظت اور نگہداشت کے لیئے کوئی مرد موجود نہ ہو ۔

۵ ۔ کسی ایسی خاتون کا قتل جو اپنی معاشی یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے قاتل کے زیر اثر ہو ، مثلاً اس کے کسی مزارع کی بیوی ہو یا اس کے گھر میں بطور خادمہ کام کرتی ہو ۔ وغیرہ وغیرہ

عورت کی دیت کے علاوہ دیت کے سلسلہ کا دوسرا اہم مسئلہ دیت کی مالیت کے تعین کا ہے ۔ ہمارے ہاں بعض حضرات چاندی کو دیت کی مالیت کے لئے بنیاد قرار دیتے ہیں اوردس ہزار درہم شرعی ، یعنی ۶۳ ۔ ۳۰ کلو گرام چاندی یا اس کے برابر سکہ رائج الوقت پر مشتمل رقم کا بطور دیت تعین کرتے ہیں ۔ ترجمان القرآن حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے زمانہ میں دو ہزار سات سو چالیس روپے کی رقم کا تعین کیا تھا ۔ (۱۵) ان کے زمانہ میں ایک روپیہ ایک تولہ چاندی کا ہوتا تھا ۔ اس حساب سے بھی قریب قریب یہی رقم بنتی ہے ۔

اس کے برعکس مصری مسودہ قانون میں (دفعہ ۲۱۲ کی رو سے) چار ہزار دو سو پچاس گرام خالص سونے کو بنیاد قرار دیا گیا ہے ۔ سعودی عرب میں سو اونٹوں سے دیت کی رقم کا تعین کیا جاتا ہے اور ہر پانچ دس سال کے بعد وہاں کی سپریم جوڈیشل کونسل کے مشورہ سے بادشاہ سو اونٹوں کی مالیت کے حساب سے سعودی سکہ میں دیت کا تعین کر دیتا ہے ۔

جہاں تک فقہائے کرام کی رائے کا تعلق ہے اونٹوں کے معیار اور بنیاد ہونے پر سب کا اتفاق ہے ۔ احادیث میں بھی عام طور پر اونٹوں ہی کی بنیاد پر دیت کا تعین کیا گیا ۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ، کی طرف سے دوسری چیزوں (مثلاً سونا ، چاندی ؛ کپڑا وغیرہ) کو بنیاد بنانا بھی ثابت ہے ۔ اس لئے جہاں تک اونٹوں کو بنیاد بنانے کا تعلق ہے تو یہ کوئی لازمی اور حتمی امر نہیں ہے ۔ ہمارے موجودہ شہری ماحول میں اونٹ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی کمیاب بلکه نایاب چیز ہوتا جا رہا ہے کہ اس کو بنیاد قرار دیدینے میں بعض دقتیں پیدا ہو جانے کا امکان موجود ہے ۔ ممکن ہے کسی وقت بلوچستان ، سندھ یا صوبہ سرحد میں اونٹوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ فرق پیدا ہو جائے ، اس صورت میں یہ طے کرنا بڑا مشکل ہو گا کہ کس علاقہ کے اونٹوں کی قیمت کو بنیاد بنایا جائے ۔

کم و بیش یہی صورت چاندی کی بھی ہے ۔ چاندی کا استعمال اب بطور زر تقریباً ختم ہو چکا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ سونے چاندی کی قیمتوں کا وہ تناسب جو عہد نبوی میں موجود تھا اور بعد میں بہت عرصہ تک رہا اب باقی نہیں رہا ۔ مثلاً ایک زمانہ تھا کہ بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) سونے ، دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ) چاندی ، پانچ اونٹوں ، چالیس بکریوں ، پچیس من گندم وغیرہ کی مالیت تقریباً یکساں تھی ۔ لیکن اب یہ تناسب باقی نہیں رہا ۔ چاندی کی قیمت اس معیار سے بہت گر گئی ہے ۔ لہذا چاندی کو بنیاد بنانے سے ممکن ہے کہ شریعت کے منشأ کو مکمل طریقہ سے پورا نہ کیا جا سکے ۔ اس کے برعکس سونے کی یہ حیثیت ابھی تک قائم ہے کہ وہ زر تبادل ہے ، آج بھی دنیا بھر میں سونے ہی کی قیمت سے ہر چیز کی مالیت کا تعین ہوتا ہے ۔ پھر سونے کی قیمت پورے ملک میں قریب قریب ایک ہے ۔ لہذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کے بجائے سونے کو بنیاد بنا کر دیت کی رقم کا تعین کیا جائے ، جیسا کہ مصری مسودہ قانون میں کیا گیا ہے ۔

اسلامی قانون قصاص و دیت کا سب سے معرکة الآراء حصه وہ ہے جس کا تعلق عاقلہ کے اصول سے ہے ۔ یہاں ان شبہات و اعتراضات کو دھرانے کی ضرورت نہیں جو عاقلہ کے اسلامی تصور کے بارے میں وقتاً فوقتاً بیان کیے جاتے ہیں ۔ یہاں اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ عاقلہ کا اصول سنت کی تینوں قسموں — قولی ، فعلی ، تقریری ۔ کے علاوہ امت کے تعامل اور صحابہ کرام تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اجماع سے ثابت ہے ۔ لہذا ایک طے شدہ اسلامی اصول کو محض اس بنیاد پر ترک کرنے کا مشورہ دینا ۔ چاہے مشورہ دینے والی شخصیت کتنی ہی بڑی ہو — کہ اس زمانہ میں اس اصول پر عمل کرنے میں بعض مشکلات اور دقتیں ہیں ایک مخلص مسلمان کا رویہ نہیں ہو سکتا ۔ اسلامی رویہ یہ نہیں کہ شریعت کے احکام کو نافذ کرتے وقت یہ دیکھا جائے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معروضی حـــالات میں کون سا حکم کس حد تک قابل عمل ہو گا اور جو حکم قابل عمل نظر آئے یا جس میں دنیاوی فوائد نظر آتے ہوں وہ اختیار کر لیا جائے اور بقیہ احکام کو ترک کرنے کا مشورہ دیا جائے ۔ بلکہ صحیح اسلامی رویہ یہ ہے کہ اگر معروضی حالات شریعت کے احکام سے مطابقت نہیں رکھتے تو ان کو بدل کر شریعت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جائے ۔ زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ ستیز ۔

اس امر پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ عاقلہ سے مراد کسی شخص کی وہ مـــددگار برادری ہے جس سے وہ عام طور پر مدد طلب کرتا ہے ، جس کی پشت پناہی اور نصرت و تعاون کے اعتماد پر وہ بہت سے ایسے کام کرتا ہے جو عام حالات میں وہ شاید نہ کرتا ۔ رہا یہ سوال کہ اس مددگار برادری میں کون کون لوگ شامل ہوں گے تو اس کے تعین میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے ، لیکن اس اختلاف کی بنیاد حـــالات اور زمـــانہ کے تقاضے تھے ، اس پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے ۔

عاقلہ کس حد تک اور کن کن صورتوں میں دیت ادا کرے گی ان میں شبہ عمـــد کے عـــلاوہ باقی تمام امور میں فقہاء کرام متفق اللفظ ہیں ۔ جہاں تک قتل خطاء کا تعلق ہے تو اس میں کسی فقیہہ کا اختلاف نہیں کہ اس صورت میں دیت کی ادائیگی عاقلہ کے ذمہ ہو گی ۔ اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں عاقلہ دیت کی ادائیگی کی ذمہ دار نہ ہو گی ۔ :

۱ ۔ قتل عمد کی صورت میں

۲ ۔ قتل کی ان تمام صورتوں (بشمول قتل خطا) میں جن میں ملزم نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہو ۔

۳ ۔ قتل کی ان تمام صورتوں (بشمول قتل خطا) میں جہاں فریقین کے درمیان کسی متعین رقم کی ادائیگی پر راضی نامہ ہو گیا ہو ، چاہے یہ رقم دیت کی رقم سے کم ہو چاہے زیادہ ۔

قتل شبہ عمد کی صورت میں فقہاء کرام میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی دیت عاقلہ ادا کرے گی یا ملزم خود ادا کرے گا ۔ اس مـیں دو نقـطہ ہائے نظر ہیں اور دونوں کی تائید میں اکابر فقہاء کی آراء موجود ہیں :

ا ۔ امام عبدالرحمن بن ابی لیلی ، قاضی ابن شبرمہ ، امام قتادہ بن دعامہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ابو ثور کی رائے ہے کہ شبہ عمد میں دیت مجرم خود ہی ادا کرے گا جو اس کی جائداد سے وصول کی جائے گی ۔ مصری مسودہ قانون کے مرتبین نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے ۔ (١٦)

ب ۔ امام عامر شعبی ، ابراہیم نخعی ، امام شافعی ، سفیان ثوری ، امام احمد بن حنبل ، اسحاق بن راہویہ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک شبہ عمد کی دیت مجرم کی عاقلہ ادا کرے گی ۔

فقہائے کرام اس امر پر بھی متفق اللفظ ہیں کہ مجرم یا عاقلہ (جس پر بھی دیت واجب الاداء ہو) اگر دیت ادا کرنے کی مالی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو پھر دیت بیت المال ادا کرے گا ۔ عاقلہ سے دیت اس صورت میں وصول کی جائے گی جب اس کے ارکان معاشی طور پر اس قابل ہوں کہ دیت میں سے اپنے حصہ کی رقم بسہولت ادا کر سکیں ، ورنہ بصورت دیگر ساری قوم ان کے ساتھ شریک ہو گی اور سرکاری خزانہ سے یہ دیت ادا کی جائے گی ۔ اس ضمن میں علامہ ابن حزم کی یہ رائے معقول اور مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص کی سرے سے کوئی عاقلہ ہی نہ ہو ، یا وہ بہت غریب لوگ ہوں ، یا قاتل نامعلوم ہو اور اس کا پتا لگانے کی کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو زکاۃ فنڈ سے اس کی دیت ادا کی جائے اور مصارف زکاۃ میں غارمین (قرضداروں) کی مد میں اس کو شمار کیا جائے ۔ (١٧)

عاقلہ کی پشت پر جو بنیادی فلسفہ کام کر رہا ہے وہ تناصر و تراحم کا ہے ۔ یعنی جس گروہ سے مجرم عام طور پر مدد اور نصرت کا متوقع ہوتا ہے اس گروہ کو دیت کی ادائیگی میں ـــ بعض مخصوص صورتوں میں ـــ شریک کیا جائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارک میں عصبہ اور اہل قبیلہ کو عاقلہ قرار دیکر اس زمہ داری میں شریک کیا ، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہر حال میں عصبہ ہی عاقلہ شمار ہوں گے ۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ چونکہ عصبہ ہی اس زمانہ میں وہ گروہ تھے جن سے ایک شخص مدد اور نصرت کا خواستگار ہوتا تھا اس لئے اس وقت ان کو عاقلہ تصور کیا گیا ۔ ورنہ اگر ہر زمانہ میں عصبہ ہی عاقلہ ہوتے تو اس سے قبل سنہ ۲ ہجری میں جب میثاق مدینہ مرتب ہوا تھا تو پورے پورے قبائل کو عاقلہ قرار نہ دیا جاتا ۔ میثاق مدینہ کی مختلف دفعات میں مہاجرین قریش ، بنو عوف ، بنو ساعدہ ، بنو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حارث ، بنو نجـار وغیرہ کو اپنی اپنی جگہ عاقلہ قرار دیا گیا ھے ۔ ظاھر ھے کہ سـارے مہـاجرین ایک دوسرے کے عصبہ نہ تھے ۔ اسی طرح بقیہ قبائل کے تمام افراد ایک دوسرے کے عصبہ نہ تھے ۔ بلکہ مہاجرین کے علاوہ دوسرے قبائل کے ذکر میں معاقلھم الأولی کے الفاظ کی تصـریح ھے ، یعنی یہ سب قبائل حسب سابق اپنے اپنے افراد کا عاقلہ متصور ھوں گے ۔ (۱۸)

حضرت عمر کے زمانہ میں جب قبائلی نظام منتشر ھوا اور باھمی مدد اور نصرت کی بنیاد قبیلہ واری تعلق نہ رھا تو آنجناب نے دیوان کو عاقلہ کی بنیاد قرار دیا ۔ اب جن فقہاء کرام کا تعلق کوفہ اور بصرہ جیسے کسمو پولٹین شہروں سے تھا (مثلاً امام ابو حنیفہ) انھوں نے دیوان کو عاقلہ قرار دیا ۔ اور جن فقہاء کا تعلق نسبتۃً قبائلی ماحول سے تھا انھوں نے بدستور قبیلہ کو عاقلہ کی بنیاد مانا ۔ اسی بناء پر فقہائے احناف کی رائے ھے کہ اگر باھمی نصـرت اور مـدد کی بنیاد کوئی پیشہ ورانہ اتحاد ھو تو پھر مجرم کے پیشہ ورانہ ساتھیوں کو عاقلہ مانا جائے گا ، اور اگر کسی معاھدہ یا اتحاد کی وجہ سے باھمی نصرت ھو تو پھر اس اتحاد یا معاھدہ میں شریک لوگ عاقلہ سمجھے جائیں گے ۔ (۱۹) ۔

لہذا اگر کبھی یہ محسوس کیا جائے کہ یہ باھمی تناصر و تراحم دیوان اور عصبہ یا قبیلہ دونوں کی بنیاد پر قائم ھے تو شرعاً کوئی چیز مانع نہیں اگر عاقلہ میں ان دونوں کو شامل کر لیا جائے ۔ لہذا ھماری رائے میں آج کل عاقلہ میں مجـرم کے اھل خاندان (یعنی وہ لوگ جو کسی بھی صورت میں اس کے وارث ھو سکتے ھیں) اور اس کے وہ سب اھل دیوان بھی شامل ھوں جن کے ھمراہ وہ اپنی روزی کماتا ھے اور جن سے وہ اپنے روز مرہ کے کاموں میں مدد اور تعاون کا خواستگار ھوتا ھے اور جب اس پر کوئی افتاد آن پڑتی ھے تو وھی اس کی مدد کرتے ھیں ۔ اس نقطہ نظر کی تائید مالکی فقہاء کی اس رائے سے بھی ھوتی ھے جس میں کہـا گیا ھے کہ اگر اھل دیوان تعـداد میں اتنے کم ھوں کہ وہ پوری دیت ادا نہ کر سکیں تو ان کے ساتھ عصبہ کو بھی شامل کر لیا جائے گا ۔ (۲۰)

مالکی فقہاء کی یہ رائے نہایت معقول اور قابل عمل معلوم ھوتی ھے کہ عاقلہ کے ارکان کی تعداد کم از کم سات سو ھـونی چـاھئیے تاکـہ یہ لوگ تین سال کے عرصہ میں بسہولت پوری دیت ادا کر سکیں ۔ لہذا ھماری رائے میں عاقلہ کا تعین کرتے وقت، سب سے پہلے مجرم کے قریبی رشتہ دار ، پھر اھل دیوان پھر ھم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشہ انجمنوں کے ارکان اور آخر میں اہل محلہ کو پیش نظر رکھا جائے تاآنکہ سات سو کی تعداد پوری ہو جائے ۔

جہاں تک اس خدشہ کا تعلق ہے کہ اس سے مقدمہ بازی میں اضافہ ہو جائے گا اور عاقلہ کے ارکان کا تعین دشوار ہو گا تو اس کا حل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جب عدالت سے دیت کی ادائیگی کا حکم دیا جائے تو فریقین کو ساتھ ہی اس امر کا پابند کر دیا جائے کہ وہ فیصلہ کی تاریخ سے دس روز کے اندر اندر مجرم کی عاقلہ کے کم از کم سات سو ارکان کی ایک فہرست عدالت میں پیش کریں ۔ جب دونوں فریق متفقہ طور پر یہ فہرست پیش کرنے کے پابند ہوں گے تو اس امر کا بہت کم امکان رہ جائے گا کہ کسی غیر آدمی کا نام عاقلہ کی فہرست میں آ جائے ۔ بالفرض اگر کسی ایک آدہ نام کا غلطی سے اندراج ہو بھی گیا تو وہ بجائے عدالت میں آنے کے خود فریقین کے پاس جائے اور ان کو مطمئن کرے کہ وہ عاقلہ میں شامل نہیں ہے ۔ فریقین خود ہی اس کا نام خارج کر دیں گے ۔ اس پر بھی اگر کسی کی تسلی نہ ہو تو پھر وہ عدالت میں درخواست دے کہ وہ عاقلہ میں شامل نہیں تھا اور اس سے غلط طور پر یہ رقم وصول کر لی گئی ۔ لیکن یہ انتظام اس صورت میں مفید ہو گا جب قانون میں ایک دفعہ اس مضمون کی بھی رکھی جائے کہ دیت کی ادائیگی سے ناجائز طور پر بچنے کی کوشش جرم متصور ہو گی اور اس کی سزا سرسری سماعت کے بعد وہی عدالت دے سکے گی جہاں اس کو ابتدائی طور پر عاقلہ کا رکن قرار دیا گیا تھا مناسب ہو گا کہ اگر کوئی شخص دیت کی ادائیگی سے بچنے کے لئیے خود کو عاقلہ سے غلط طور پر خارج کرنے کی کوشش کرے تو اس سے دوگنی رقم وصول کی جائے ۔

اس ضمن میں ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف مصری مسودہ کے مرتبین نے توجہ کی ہے وہ بیمہ کے ذریعہ دیت کی ادائیگی کا ہے ۔ چونکہ عاقلہ کے ذریعہ دیت کی ادائیگی کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ جانی کا بوجھ ہلکا کیا جائے اس لئے کہ اس سے جو قتل سر زد ہوا ہے وہ بالارادہ نہیں ہوا اس لئیے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ نرمی کی جائے لہذا جہاں عاقلہ کے بجائے بیمہ کمپنی کے ذریعہ رقم کی ادائیگی ممکن ہے وہاں بیمہ ہی کے ذریعہ یہ ادائیگی ہونی چاہئیے ۔ اس کے لئے ہماری بیمہ کمپنیوں کو ایک نئی قسم کی بیمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاری جاری کرنی پڑے گی ۔ ہاں اگر بیمه کی رقم دیت کی رقم سے کم ہو تو پھر بقیه رقم کی وصولی عاقله سے کرنی چاهئیے ۔

فقہائے کرام کا اس امر پر بھی اتفاق ہے که عاقله پر اس کی استطاعت اور مالی حیثیت سے زیادہ بوجھ نه ڈالا جائے ، اگر عاقله کے ارکان کو ذرا بھی تکلیف یا مشقت ہو تو پھر ان کو اس آزمائش میں نه ڈالا جائے ، اس لئے که عاقله کو بیجا تکلیف میں مبتلا کرنا شریعت کا مقصود نہیں ۔ اس لئے که عاقله پردیت واجب کرنے کی حکمت یہی ہے که ملزم پر سے اس کا بوجھ ہلکا کیا جائے ، اب یه بات نہایت خلاف عقل و انصاف ہو گی که ملزم کا بوجھ ہلکا کرنے کی وجه سے اس کی عاقله پر بوجھ زیادہ کر دیا جائے ۔

امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر شخص پر واجب الادا رقم کا تعین عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاهئیے که وہ ارکان عاقله کی مالی حیثیت کے پیش نظر ایسی مناسب رقم تجویز کر دے جو ہر شخص بلاکسی دقت کے بسہولت ادا کر سکے ۔ امام شافعی کے نزدیک بھی ادا کرنے والوں کی مالی حیثیت پیش نظر رہنی چاهئیے ۔ انہوں نے اپنے زمانه میں نسبةً خوشحال افراد کے لئیے نصف مثقال (دوماشه دو رتی) اور متوسط الحال اشخاص کے لئیے چوتھائی مثقال (ایک ماشه ایک رتی) سونے کی مقدار تجویز کی تھی ۔ امام ابو حنیفه نے اس سے بھی کم مقدار تجویز کی ، ان کی رائے میں کسی شخص سے تین چار درہم سے زیادہ وصول نه کئے جائیں ۔ اکثر فقہاء کے نزدیک دیت کی رقم تین سال کی مساوی قسطوں میں لینا بہتر ہے تاکه ادا کرنے والے بسہولت ادا کر سکیں ۔ دیت کی ادائیگی میں تخفیف اور نرمی کے عمومی رویه کا ایک مظہر یه امر بھی ہے که حسب ذیل لوگوں کو عاقله کا رکن تصور نہیں کیا گیا :

۱ ۔ تنگدست اور نادار لوگ

۲ ۔ خواتین

۳ ۔ بچے

۴ ۔ کم عقل اور پاگل لوگ

اگرچه صفحات بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے عاقله کا اصول اور اس کی حکمت کافی حد تک واضح ہو چکی ہوگی تاہم مناسب معلوم ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ ان بنیادوں پر الگ سے گفتگو بھی کی جائے جن سے عاقلہ کے اصول کی عقلی توجیہ سامنے آ جائے گی ۔

١ ۔ اگر عاقلہ پر دیت کی ادائیگی واجب قرار نہ دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دولت مند لوگ دیت ادا کرکے بری ہو جایا کریں گے اور غریب اور نادار اشخاص دیت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے جیل جائیں گے ۔ اس سے شریعت کے دو اہم اصول مجروح ہوں گے ۔ ایک تو غریب شخص کو جو سزائے حبس ملے گی وہ عملاً اس کے جرم کی نہ ہوگی بلکہ نتائج کے لحاظ سے اس کی غربت اور ناداری کی سزا ہوگی ، دوسرے مقتول کے ورثاء کی تشفی جو اس سارے قانون کا ایک بہت اہم مقصد ہے نہ ہو سکے گی ۔ ہمارا کم از کم گذشتہ سو سوا سو برس کا مشاہدہ ہے کہ سزائے قید وغیرہ سے مقتول کے ورثاء کی تشفی نہیں ہوتی اور قتل اور جوابی قتل کا لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے ۔ اگر ایک بار مقتول کے ورثاء کی تشفی کر کے ان کے دل کی انتقامی آگ کو ٹھنڈا کر دیا جائے تو یہ سلسلہ بند ہو جائے گا ۔

٢ ۔ دیت کی رقم چونکہ اچھی خاصی ہوتی ہے اس لئے ایک عام شخص عموماً اتنی مالی حیثیت نہیں رکھتا کہ اپنی جیب سے دیت کی خطیر رقم ادا کر سکے ، اسلامی قانون جس معاشرے میں جاری و ساری ہو وہاں کے بارے میں یہی تصور کرنا چاہیئے کہ ناحق انسانی جان کے ضائع ہونے کے اکثر واقعات قتل خطا کی قبیل سے ہوں گے ۔ لہذا اگر قتل خطا میں بھی دیت کی ادائیگی کو مجرم ہی کی ذمہ داری قرار دے دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بیشتر حالات میں دیت کی ادائیگی کی نوبت ہی نہ آسکے ۔ یہاں یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہیئے کہ آخر قتل عمد میں بھی تو دیت صرف مجرم پر واجب الاداء ہوتی ہے ، وہاں یہ خطرہ کیوں موجود نہیں کہ مجرم کی مالی استطاعت دیت کی ادائیگی کی اجازت نہ دے گی اور یوں دیت کی ادائیگی ممکن نہ ہوگی ؟ اس لئے کہ قتل عمد میں اصل علاج تو قصاص ہے اور دیت کی حیثیت محض قصاص کے قائم مقام کی ہے ۔ اب اگر مقتول کے ورثاء اپنے ارادہ اور مرضی سے قصاص چھوڑ کر دیت قبول کر رہے ہیں تو اول تو ان کو پہلے اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ مجرم واقعی دیت دے سکتا ہے یا نہیں ، دوسرے اگر وہ خود اس کی پرواہ کیئے بغیر کہ مجرم کے لئے دیت کی ادائیگی ممکن ہے یا نہیں قصاص سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستبردار ہو رہے ہیں تو یہ ان کے اپنے اختیار کی بات ہے ، اگر وہ خود ہی دیت کی وصولی کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں تو آخر کون ان کو روک سکتا ہے ۔

۳ ۔ عاقلہ کے ذمہ دیت کی ادائیگی (فقہائے کرام کی متفق علیہ رائے کے مطابق) صرف خطا کے جرائم میں ہوتی ہے،ان جرائم میں سے بیشتر کا تعلق عموماً غفلت اور لاپروائی سے ہوتا ہے ۔ غفلت اور لاپروائی پیدا کرنے میں اکثر وبیشتر بلکہ قریب قریب سو فیصدی واقعات میں معاشرہ ، خاندان اور برادری کا ہاتھ ہوتا ہے ۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لاپروائی سے تیز رفتار ڈرائیونگ کرنا ، لاپروائی سے شکار کھیلنا ، لاپروائی سے اسلحہ کا استعمال کرنا اور اس طرح کی دوسری حرکتیں انہی لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں جن کو اپنی قوت ، اثر و نفوذ یا دولت اور تعلقات وغیرہ کا گھمنڈ ہوتا ہے ۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا شخص بے احتیاطی اور لاپروائی سے کسی کی جان لے لے یا کسی کے قتل کا کوئی سبب پیدا کر دے جو نہ تو دولت مند ہو ، نہ با اثر ہو ، نہ طاقتور ہو ، نہ برادری والا ہو اور نہ تعلقات والا ہو ۔ لہذا انصاف اور معقولیت کا تقاضا ہے کہ جن اسباب کے بل پر اس میں بے احتیاطی اور لاپروائی کے جراثیم پیدا ہوئے ہیں انہی کو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دیا جائے ۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں کہ ہمارے بڑے بڑے شہروں میں تیز رفتاری اور لاپروائی سے ڈرائیونگ اور اس کے نتیجہ میں مہلک حادثات کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو یا تو کسی بڑے با اثر باپ کے بیٹے ہوں ، یا کسی اعلی پولیس/فوجی افسر کے ملازم/شریک کار ہوں یا کسی ایسے بااثراور طاقتور گروہ سے تعلق رکھتے ہوں جس کے بل پر ان کو یقین ہوتا ہے کہ کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا ۔ ایسے لوگوں کا تنقیۂ دماغ کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے پشت پناہوں کو بھی اس ذمہ داری میں شریک کیا جائے ۔

۴ ۔ شریعت اسلامی ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے جس میں ہر شخص ایک دوسرے سے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جڑا ہوا ہو ، جس کے افراد کسی عمارت کی اینٹوں کی طرح ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوں ، جس کے افراد ایک ایسے جسم کی طرح ہوں کہ اگر ایک عضو بیمار ہو تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے ۔ اب ایسی صورت میں کیا یہ امر اسلام کی اس روح سے متصادم نہ ہوگا کہ ایک شخص کسی غلطی سے نادانستہ طور پر ایک حادثہ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹھا ، اس پر دیت کے کئی لاکھ روپے واجب الاداء ہو گئے اور اس کے قریبی احباب ، دوست اور مددگار اس خطیر رقم کی ادائیگی میں اس سے تعاون نہ کریں ؟ اس طـرح کے تعـاون کے سلسلہ میں شریعت کا ایک عمومی انداز یہ ہے کہ عام حالات میں تو وہ خود تعاون کرنے والوں کی صوابدید پر چھوڑ دیتی ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کس حد تک تعاون کرتے ھیں ۔ لیکن بعض اھم اور خصوصی نوعیت کے حالات میں یہ تعاون فرض قرار دے دیا جاتا ہے جس پر بذریعہ قانون عملدرآمد کرایا جاتا ہے ۔ عاقلہ کے علاوہ تعاون واجب کی دوسری مثالوں کے ضمن میں نفقۂ اقارب ، ہنگامی حالات کے عطیات واجبہ وغیرہ کو پیش کیا جا سکتا ہے ۔

۵ ۔ ہمارے موجودہ معاشرہ میں تواصی بالحق ، تواصی بالصبر اور تناھی عن المنکر کے اسلامی تصورات و احکام سے غفلت کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ سڑک پر قتل ھوتا ہے اور گذرنے والے نظریں چرا کر گذر جاتے ھیں ، غنڈے کسی کی بہو بیٹی کو تنگ کر رہے ھوتے ھیں اور " شرفاء " ایک آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے ۔ حالانکہ اسلامی قانون کی رو سے یہ غفلت اور لاپروائی خدا کے ھاں شدید گناہ ھونے کے علاوہ قانوناً جرم بھی ہے ۔ اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود کسی مرنے والے کی جان نہ بچائے اور جان بوجھ کر اس فرض سے کوتاھی کرے تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس پر دیت کے علاوہ تعزیر بھی واجب ھو جاتی ہے ۔ اور عدالت اس کوتاھی کی اس کو مناسب سزا دے سکتی ہے ، جو حالات کے لحاظ سے سخت سے سخت پر بھی ھـو سکتی ھے ۔ لیکن اگر کسی معاشرہ میں عاقلہ کا نظام رائج ھو اور آج ایک شخص اپنے کسی بھائی ، رفیق کار یا دوست کی طرف سے بطور رکن عاقلہ دیت کی ادائیگی میں حصہ دار بنتا ھے تو کل اس کو نہ صرف اخلاقی طور پر اس سے پوچھنے اور بـاز پرس کـرنے کی جـرأت ھو گی کـہ فـلاں فلاں اشخاص سے اس کا جھگڑا اور اختلاف کس نوعیت کا ھے ، اسـں کے اسـباب کیـا ھیں اور ان کو کیوں دور نہیں کیا گیا ، بلکہ کل اگر کہیں کوئی جھگڑا یا فساد ھو گا تو آج دیت ادا کرنے والا شخص یوں صرف نظر کر کے نہیں گذرے گا بلکـہ حتی الامکان اس اختلاف کا سد باب کرنے اور وجہ نزاع کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا ،

٦ ۔ آج اگر عاقلہ کا نظام قائم کر دیا جائے اور لوگ اس کے مطابق ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے کی مدد اور تعاون کا کام کرنے لگیں تو اس سے معاشرہ میں تراحم ، تناصر اور اخوت کے جذبات کو فروغ ملے گا ۔ ظاہر ہے کہ آج اگر ایک شخص کے ہاتھوں ایک ناحق خون غلطی سے غیر ارادی طور پر ہو گیا اور اس کی ساری مددگار برادری نے مل کر اس کی دیت ادا کر دی تو کل کسی اور کو یہ آزمائش پیش آئی تو وہ انشاء اللہ دل و جان سے اس میں پیش پیش ہو گا ، اور شاذ و نادر ہی اس بات کا خطرہ ہو گا کہ کوئی شخص اس ذمہ داری سے بچنے اور جان چرانے کی کوشش کرے ۔

۷ ۔آج مغرب کے زیر اثر ہمارے معاشرہ میں حد سے بڑھی ہوئی انفرادیت پسندی اور انعزالیت کے رحجانات پیدا ہو گئے ہیں ، کسی شخص کو خبر نہیں کہ اس کے پڑوسیوں پر کیا گذر رہی ہے ، کسی کو اس کی پرواہ نہیں کہ برابر والے فلیٹ سے گذشتہ شب گولیاں چلنے کی جو آوازیں آ رہی تھیں وہ کیوں آ رہی تھیں ، کوئی اس کی فکر نہیں کرتا کہ اس کا وہ رفیق کار جو اس کی برابر والی میز پر سارا دن بیٹھ کر کام کرتا ہے کن الجھنوں میں گرفتار ہے ۔ یہ انعزالیت آج مغربی ممالک میں بدترین حدوں کو چھو رہی ہے اور اس کی عبرت ناک مثالیں ہم روز اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں ۔ عاقلہ کے نظام سے توقع ہو گی کہ یہ غلط رحجانات ختم ہوں اور صحیح اسلامی اجتماعیت پیدا ہو ۔

۸ ۔ قتل خطاء میں دیت عاقلہ کے ذمہ اس لئے واجب کی جاتی ہے کہ جانی (زیادتی کرنے والے) کا بوجھ ہلکا کیا جا سکے ، ظاہر ہے کہ یہ غلطی اس سے غیر ارادی طور پر سرزد ہو گئی ہے اور اس غیر ارادی غلطی کے نتیجہ میں ایک بہت بڑا تاوان اس پر عائد ہو گیا ہے ۔ اب چونکہ یہ نقصان اس سے بالکل غیرارادی طور پر سرزد ہوا ہے اس لئے اس پر ساری دیت کا بوجھ ڈال دینا شریعت کے تقاضائے عدل کے خلاف ہے ۔ دوسری طرف اس کو بالکل فارغ اور بری الذمہ کر کے گھر بھیج دینا بھی اسلام کے اصول لایطل دم فی الاسلام (اسلام میں کوئی خون رائیگاں نہیں جا سکتا) سے ہم آہنگ نہیں ۔ لہذا شریعت نے اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسلام کے اصول تکافل و تناصر سے کام لیکر عاقلہ کو اس ذمہ داری میں شریک کر دیا ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر عاقلہ ہی کو ناقابل برداشت بوجھ تلے دبا دیا جائے تو یہ عاقلہ کے ساتھ زیادتی ہے ، اس لئے عاقلہ سے اتنا ہی وصول کیا جائے جتنا وہ بسہولت دے سکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹ ۔ آج اجتماعی انشورنس کی اسکیمیں ہر جگہ جاری ہیں اور ہر وہ شخص جو اس طرح کی کسی اسکیم کے ماتحت آتا ہے وہ اس کا چندہ ادا کرنے پر مجبور ہے ۔ عاقلہ بھی اسی نوعیت کی ایک چیز ہو گی ۔ آخر ان دونوں میں کیا جوہری فرق ہے کہ ایک بہت محبوب و مقبول اور دوسری بہت مردود و نامقبول قرار پاگئی ہے ؟

بعض حضرات عاقلہ کے اسلامی اصول پر گفتگو کرتے ہوئے اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے اصول لاتزر وازرۃ وزر أخری (کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہیں اٹھاتا) سے متصادم ہے ۔ ہمارے فقہائے کرام نے اس شبہ کا بھی جواب دیا ہے ۔ افسوس ہے کہ انہوں نے جس شبہ کو مفروضہ سمجھ کر جواب دیا تھا وہ اب حقیقت بن چکا ہے اور فی الواقع مسلمانوں نے یہ شبہ وارد کر دیا ہے ۔ علامہ زیلعی ، امام ابو بکر الجصاص اور حافظ ابن قیم نے اس شبہ کی بڑی سختی سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں لاتزر وازرۃ اخری کا قاعدہ سرے سے منطبق ہی نہیں ہوتا ۔ ہم نہ تو عاقلہ کو اس زیادتی میں شریک تصور کر رہے ہیں جو اس شخص سے سرزد ہوگئی ہے ۔ اور نہ یہ مان رہے ہیں کہ اخروی باز پرس میں عاقلہ بھی شریک ہو گی یہاں تو محض ایک شخص پر یکایک عائد ہو جانے والے ایک بوجھ کی تخفیف کا حکم ہے ۔ بالکل اس طرح جیسے دولت مندوں کے مال میں فقراء کا حق ہے جو ان کو لازماً ادا کرنا ہے ، جس طرح ایک دولت مند شخص کو غریب رشتہ داروں کی صلہ رحمی کا حکم ہے یا والدین کی خدمت کا حکم ہے اس طرح عاقلہ کو یہ حکم ہے کہ فلاں فلاں نوعیت کے معاملات میں اپنے بھائی کی مدد کرو ۔ ظاہر ہے کہ اس حکم سے شریعت کا وہ اصول (لاتزر وازرۃ وزر اخری) کسی طرح بھی مجروح نہیں ہوتا ۔ (۲۱)

عاقلہ کے بعد اسلامی قانون قصاص و دیت کا اہم ترین اصول قسامت ہے ۔ اس پر بھی بعض حضرات شبہات و اعتراضات وارد کرتے رہتے ہیں ، اور ”دور جدید“ کے تقاضوں سے اس کو ہم آہنگ نہیں سمجھتے ۔ لیکن ہم نے اس مضمون کے آغاز میں جو بنیادی اصول ذکر کیے ہیں ان کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ قسامت کا اصول نہایت مبنی بر انصاف اور انسانی جان و مال کی حفاظت کی ایک اہم ضمانت ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسامت کے لغوی معنی اجتماعی طور پر قسم کھانے کے ھیں ، لیکن فقھی اصطلاح میں اس سے مراد کسی قتل کے مقدمہ میں فریقین کا اجتماعی طور پر قسم کھا کر ملزموں یا مشتبہ لوگوں کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور ملزموں کا اپنی براءت ظاھر کرنا ۔ قسامت کا اصول عرب میں اسلام سے پہلے بھی رائج تھا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کو باقی رکھا بلکہ اس میں بہت اصلاحات بھی فرمائیں ۔ جن محدثین کرام نے قسامت کے بارے میں قولی ، فعلی اور تقریری احادیث روایت کی ھیں ان میں امام بخاری ، امام مسلم ، امام احمد بن حنبل ، امام بیہقی ، امام نسأی ، امام دارقطنی ، امام ابن ابی شیبہ ، امام عبدالرزاق بن ھمام اور علامہ ابن عبدالبر شامل ھیں ۔ ان محدثین کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمر کے متعدد فیصلے ذکر کیے ھیں جن میں قسامت کے اصول کی بنیاد پر قتل کے مقدمات کو نبٹایا گیا ۔

قسامت کے اصول پر چاروں مشہور سنی مسالک کے علاوہ جعفری اور ظاھری مسالک بھی متفق ھیں ۔ لیکن جزوی تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ھے ۔ ھم یہاں فقہاء کے متفق علیہ یا اکثریتی نقطہ ھائے نظر کا ذکر کرتے ھیں ۔

اگر کسی بستی ، محلہ ، گلی وغیرہ میں کوئی مقتول پایا جائے اور یہ یقین ھو کہ لاش کہیں باھر سے لا کر نہیں ڈالی گئی بلکہ قتل یہیں ھوا ھے ، یہ بھی یقین ھو کہ متوفی اپنی موت نہیں مرا بلکہ اس کو فی الواقع قتل کیا گیا ھے اور قاتل معلوم نہ ھو تو اس صورت میں قسامت کے اصول پر عمل کیا جائے گا ۔ مالکی ، شافعی ، حنبلی ، جعفری ، ظاھری اور اباضی اجتہادات کے مطابق پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھا کر یہ بیان کریں کہ ان کو فلاں فلاں اشخاص پر شک ھے ۔ اگر مقتول کے ورثاء پچاس ھوں تو وہ ایک ایک قسم کھائیں اور اگر پچاس سے کم ھوں تو کچھ لوگ زائد قسمیں کھا کر پچاس قسمیں پوری کریں ۔ جب وہ پچاس قسمیں کھا چکیں تو مدعا علیہان (۲۲) اسی طرح پچاس قسمیں کھائیں ۔ اس پر اتفاق رائے ھے کہ مدعاعلیہان میں سے قسم کھانے والوں کا انتخاب مقتول کے ورثاء کریں گے ۔ اب اگر مدعاعلیہان حلف اٹھانے سے انکار کر دیں تو ان کو قید کر دیا جائے اور جب تک قسم نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھائیں ان کو رہا نہ کیا جائے ۔

جب یہ سب قسمیں کھائی جا چکیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم کھانے والوں سے اور بقیہ تمام فقہاء کے نزدیک پورے اہل قریہ اہل محلہ یا اہل عمارت سے (جو بھی صورت ہو) دیت وصول کی جائے گی ۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مقتول کے ورثاء نے قتل عمد یا شبہ عمد کا دعوی کیا ہو ۔ اگر ان کا دعوی قتل خطا کا ہے اور مدعا علیہان قسم کھا لیتے ہیں تو ان کو بری کر دیا جائے گا ۔

لیکن قسامت کے اصول پر عمل کرنے کی چند شرائط ہیں جن کے پورا ہوئے بغیر اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ شرائط یہ ہیں :

١ ۔ مقتول کے ورثاء باقاعدہ دعوی دائر کریں

٢ ۔ مدعا علیہان وہی لوگ ہوں جن کے علاقہ ، عمارت ، گلی یا گاؤں میں مقتول پایا گیا ہے ۔

٣۔ مدعاعلیہان اس کا انکار کریں کہ انہوں نے قتل کیا ہے یا ان کو قاتل کا علم ہے ۔

۴ ۔ قاتل نامعلوم ہو ، یعنی اس کا قاتل ہونا یقینی طور پر ثابت شدہ نہ ہو ، یہ شرط صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے ۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہ (امام مالک ، شافعی ، احمد) کے نزدیک ضروری ہے کہ قاتل کا کچھ نہ کچھ سراغ لگ رہا ہو اور کسی ایک یا چند متعین اشخاص کے جرم میں ملوث ہونے کے مضبوط قرائن (لوث) موجود ہوں ۔ لوث کی کوئی جامع تعریف ضروری نہیں ، ہر وہ چیز لوث ہے جو عدالت کو اس بات پر مطمئن کر دے کہ فلاں شخص کے جرم میں ملوث ہونے کے مضبوط شواہد موجود ہیں ، مثلاً مقتول اور ملزم کے درمیان پہلے سے دشمنی کا موجود ہونا ، جہاں وقوعہ ہوا ہے وہاں اس بات کی عام شہرت کہ فلاں شخص قاتل ہے ، نامکمل گواہی ، مقتول کا دشمن پارٹی کے علاقہ میں پایا جانا وغیرہ وغیرہ ۔

۵ ۔ مقتول کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اس کو قتل کیا گیا ہے ، یہ بات طبی معائنہ بعد از مرگ سے معلوم ہو سکتی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسامت کے بارے میں عموماً اسی طرح کے شبہات کا اظہار کیا جاتا ہے جس طرح کے شبہات عـاقلہ کے سلسلہ میں دہرائے جاتے ہیں ۔ لیکن اوپر بیان کیے گئے اصـول اور اسـلامی قانون کی مجموعی روح اور مـزاج پیش نظر رہے تو یہ شبہات پیدا نہ ہوں ۔ دراصل ایک بستی ، گاؤں ، محلہ یا گلی میں جب ایک خون ناحق ضـائع ہوتا ہے اور متعلقہ بستی ، گاؤں ، محلہ یا گلی کے لوگ قاتل سے بالکل بےخبر ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی اجتماعی اور ملی ذمہ داریوں سے اس حد تک کوتاہی کر رہے ہیں کہ ان کے ہاں ایک بےگناہ جان چلی گئی اور ان کو کانوں کان خبر نہ ہوئی ، انہوں نے اس بےگناہ شخص کی جان بچانے میں کوتاہی کی ، جہاں وقوعہ ہوا وہاں کے حـالات سے اتنی بےخبری برتی کہ یہ نوبت آ گئی ۔ قتل کا واقعہ اگر فوری اشتعال کا نہ ہو ۔ جـو کبھی کبھار ہی ہوتا ہے ۔ تو اس کے اسباب عموماً فریقین کے آس پاس کے لوگوں کے علم میں ہوتے ہیں ۔ دشمنیاں ، اختلافات ، نزاعات وغیرہ پہلے سے موجود ہوتے ہیں ۔ اب اگر ان لوگوں نے دو بھائیوں کے درمیان دشمنی ہوتی دیکھی اور اس کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی تاآنکہ ایک جان چلی گئی تو یا تو وہ قاتل کو برآمد کر کے دیں اور یا اپنی اس کوتاہی کی سزا بھگتیں اور اجتماعی طور پر دیت ادا کریں ۔

امام عبدالرزاق ، ابن ابی شیبہ اور بیہقی تینوں نے امام شعبی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے قسامت کی بنیاد پر فیصلہ کر کے دیت ادا کرنے کا حکم دیا تو مدعا علیہان نے عرض کیا : امیرالمؤمنین ۔ نہ تو ہمارے مال نے ہمـیں قسـموں سے بچایا اور نہ قسمیں مـال ادا کرنے سے روکنے میں کامیاب ہوئیں ۔ آنجناب نے فرمایا : کذلک الحق ، حق بات تو یہـی ہے یا مبنی برحـق فیصلہ تو یہی ہے ۔ دارقطنی اور بیہقی کی روایت میں اور بھی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ پھر آپ نے فرمایا : میں نے تمہارے درمیان جو فیصلہ کیا ہے وہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا ۔ اس پر وہ لوگ بولے ۔ لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمیں قسمیں بھی کھانی پڑیں اور مال بھی خرچ کرنا پڑا ۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے فرمایا : تم نے قسمیں تو اس لئے کھائیں کہ تم قصاص سے بچ سکو اور مال تمہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئیے خرچ کرنا پڑا که مقتول تمھارے درمیان پایا گیا تھا ـ (۲۳)

یه سب گفتگو جنایت کی اس قسم کے بارے میں تھی جس کے نتیجه میں انسانی جان ضائع ھو جائے یعنی جنایة علی النفس ـ رھی جنایت کی دوسری قسم جنایه علی مادون النفس جس کے نتیجه میں انسانی جان تو ضائع نه ھو لیکن کسی عضو کو نقصان پہنچے یا وہ ضائع ھو جائے تو وہ ایک الگ مقاله کا متقاضی موضوع ھے ـ

حواله جات

(۱) سوره مائده : ۳۲

(۲) ان پانچ مقاصد کو کلیات خمسه بھی کہا جاتا ھے ـ ان پر سب سے زیاده جامع ، مفصل اور بےنظیر بحث امام ابو اسحاق شاطبی (متوفی ۷۹۰ ھ) نے اپنی تاریخ ساز تصنیف الموافقات فی اصول الشریعة جلد دوم ص ۵ ـ ومابعد (طبع ۱۹۷۵ ، قاھره) میں کی ھے ـ

(۳) نیز ملاحظه فرمائیے ادب القاضی ، مرتبه راقم الحروف ، شائع کرده اداره تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد ، ۱۹۸۳ ، ص ۵۱۷ ـ ۵۲۷

(۴) سوره مائده : ۸۷ ـ ۹۷ ، نیز سوره النفال : ۲۵

(۵) سوره نساء : ۳٦

(٦) اس نوعیت کی ایک رائے کے لیئے بطور مثال ملاحظه فرمائیے ابو عبدالله محمد بن احمد الانصاری القرطبی الجامع لاحکام القرآن ، طبع دار الکتب المصریه ، قاھره ، ۱۹۵۲ ، جلد دوم ، صفحات ۲۲۵ ـ ۲۲٦ ـ فقہائے اسلام کے ھاں اس قسم کے اور بھی اقوال پیش کئے جا سکتے ھیں ـ

(۷) یه امر که امت کی حیثیت مؤکل اور حکمرانوں کی حیثیت وکیل کی ھے متعدد فقہائے اسلام کے ھاں بڑی صراحت سے ملتا ھے ـ مثلاً دیکھئیے امام علاؤ الدین الکاسانی : بدائع الصنائع ، جلد ھفتم ، ص ١٦ ، قاضی ابو بکر الباقلانی : التمهید طبع قاھره ، ۱۹۴۷ ، ص ۱۸۴ ، علامه ابو عبدالله محمد بن احمد الانصاری القرطبی : الجامع لأحکام القرآن ، قاھره ، ۱۹۳۵ ، ج اول ص ۲۷۲ ـ ان کے علاوه اور بھی بہت سے حوالے دیے جا سکتے ھیں ـ

(۸) البقرة : ۱۷۹

(۹) مصری پارلیمنٹ نے ۱۹۷۸ میں اسلامی قوانین کی تدوین کے لئیے ماھرین کی کمیٹیاں تشکیل دی تھیں ـ ان کمیٹیوں میں وکلاء ، ارکان پارلیمنٹ ، جج صاحبان ، علماء اور جامعه ازھر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اساتذہ کرام شامل تھے ۔ ان کمیٹیوں نے مختلف موضوعات پر اسلامی قوانین کے مسودے مرتب کر کے مصری پارلیمنٹ میں پیش کر دیے ہیں ۔ ان میں سے فوجداری قانون اور اس کی تشریحات کا اردو ترجمہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں کیا جا رہا ہے ، انشاء اللہ جلد ہی اس کو شائع کر دیا جائے گا ۔ زیر نظر مضمون میں اسی قانون کی مختلف دفعات کا حوالہ دیا گیا ہے ۔

(۱۰) ابن قدامہ : المغنی ، جلد ۸ ، ص ۳۸۷

(۱۱) مثلاً ابو محمد ابن حزم : المحلی ، طبع قاہرہ ، ۱۳۵۲ ھ ، جلد ۱۰ ص ۳۰۱ ، ۳۰۵ ، ۳۱۲ وغیرہ وغیرہ .

(۱۲) شرح الدردیر ، جلد چہارم ، ص ۲۳۷

(۱۳) ملاحظہ ہو المغنی ، جلد ۹ ص ۳۹۹

(۱۴) المہذب فی الفقہ الشافعی للشیرازی ، ج ۲ ص ۲۱۵

(۱۵) ملاحظہ ہو موضح قرآن ، زیر آیت ودیة مسلمة الی اہلہ (النساء : ۹۲)

(۱۶) ملاحظہ ہو مذکورہ قانون کی دفعہ ۲۱۳

(۱۷) المحلی ، جلد دہم ، ص ۳۸۸

(۱۸) سیرت ابن ہشام ، طبع قاہرہ ، بتحقیق محمد محی الدین عبدالحمید ، جلد دوم ، ص ۱۱۹ ـ ۱۲۳

(۱۹) عبدالرحمن الجزیری لکھتے ہیں : لوکان الیوم قوم تناصرہم بالحرف فعاقلتہم أہل الحرفة ، وان کان بالحلف فأہلہ ـ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، جلد پنجم ، ص ۳۷۸

(۲۰) حوالہ بالا ، ص ۳۸۳

(۲۱) زیلعی : تبیین الحقائق ، جلد ششم ، ص ۱۷۷ ـ امام جصاص : احکام القرآن ، جلد ہفتم ، ص ۲۴۲ ، حافظ ابن قیم : اعلام الموقعین ، جلد دوم ، ص ۳۵

(۲۱) یہ اصطلاح اگرچہ عربیت کے قاعدہ سے غلط ہے لیکن اردو میں مروج ہونے اور عام فہم ہونے کی وجہ سے اختیار کر لی گئی ۔ وکلاء حضرات مدعی علیہم کے بجائے مدعا علیہان سے زیادہ مانوس ہیں ۔

(۲۳) قسامت کی یہ مختصر بحث درج ذیل تین کتابوں سے ملخصاً ماخوذ ہے : بدائع الصنائع جلد ہفتم ص ۲۸۶ ـ ۲۹۶ ، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، جلد پنجم ، ص ۳۸۴ ـ ۳۹۳ طبع بیروت ، التشریع الجنائی الاسلامی للاستاذ عبدالقادر عودہ ، ج ۲ ص ۳۲۱ ـ ۳۳۹

* * * *

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

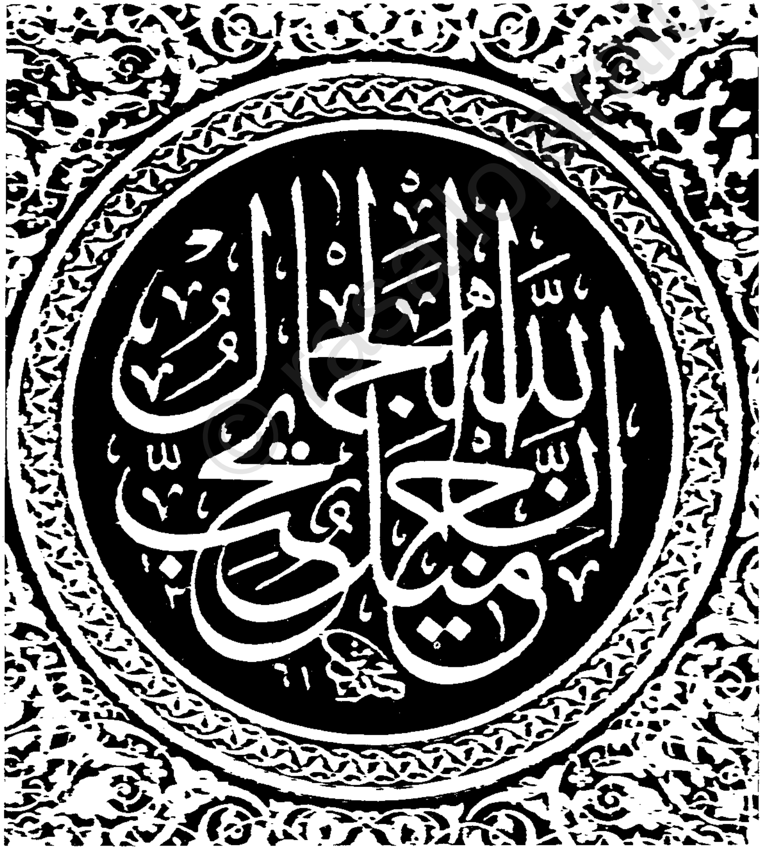

© rasailojaraid.com